

”یہی تو تربیت ہے۔ وہ شنی اطہیان اُس کے چہرے سے پھوٹتا۔ یہی تو خوبصورتی ہے۔ بوتاں لی شندی سائیک ان کی عڑا ہٹ میں سے نکلتی محوس کرنا اور پھر ان سائیک کے سر دتر ہونے سے پہلے ہی خالی پیٹ کے لیے ایندھن مہیا کر دینا۔ یہی تو تربیت ہے۔ اس نے ایک تھیلے کو فحیم دینکٹ ٹھرٹنگ کے بعد اپنی کامنے کیک رستی کے گزرے سے گھوٹا اور گھیٹا ہوا زمان کے قریب لے آیا۔ بالکل بھرا ہوا ہے۔ میں انہیں سندھ میں ٹرکوں کراچی آتا ہوں.....“

وہ اور اس کا مختلفیا اور اس کی بیان دیت پر گھٹنے لگے۔

زملان واپس اپنے خیبے کے قریب آیا اور مٹھی میں پینے سے بھیگتی ہوئی  
میخ کو اس کی اصلی جگہ پہ پھر سے ٹھونک دیا۔

خوشبو کیا ہے اور بد بوجوک سے کہتے ہیں پچھے صرف بُو ہوتی ہے، اس کے ساتھ خوشی اور بیدی کا اضافہ ہماری جیتیں کرتی ہیں۔ ذہنی رویے کرتے ہیں۔ شراب کی بُو ایک بد بُجہ ہے، بدی سے بچنے والوں کے لیے اور خوشبو ہے، خوشی کی چاہت میں گرفتار مدن کے لیئے نسل پرور پانیزوں کی بُو خندے جموں کے لیے بد بُجہ ہے اور راہنی جموں میں حدت بیدار ہو جاتے تو وہی خوشبر کھلاتی ہے کڑوے تیل کا تراکا بد بُجہ ہے اُن کے لیے جن کے پیٹ بھرے ہوں اور خوشبو جن کے تن مدن میں مجھوک کے بلڈوزر چلتے ہیں..... مچھلی کے متریں سے نکلنے والی بُوان کھیزوں کے لیے کیا ہے؟

دوسرا صبح جب اُس کی آنکھ پوری طرح مغلی تو ایک بودھا سرخیے کے پڑے  
میں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ میٹھل پیس پر سجا ہوا ایک حنوٹ شدہ جانور کا سر۔ یا یہ  
سیاہ چادر میں سے جانکھا کسی چڑیل یا ٹھیکا کا چھرو۔ مگر وہ مسکرا رہا تھا اپنے تین نقلی  
دانہوں سے سمت۔ زمان کو ہجر بھری سی آگئی۔

”تم اپنے ملک کے صدر کو ذاتی طور پر جانتے ہو؟“

اگر کوئی اور شخص یوں اس کے خیجے میں ناگ جانکر کرتا تو وہ یقیناً غصتے سے چھٹ پڑتا گزر مان بوڑھے سے قدر سے خوفزدہ تھا۔ بوڑھے سے اور اُس کی بیویوں سے۔

”ہمارے سیاسی نظام میں صدر نہیں ہوتا یہ زمان اُسے ماننے کے انداز میں ڈر ڈیا۔“

پھر وزیراعظم ہوتا ہوا، تم اپنے ملک کے.....“

”ہمارے ہاں وزیراعظم محی نہیں ہوتا یہ“

”مچھر کیا ہوتا ہے؟“

”ایک تیری جنس.....“

”خیر جو کچھ بھی ہوتا ہے، تم اسے ذاتی طور پر جانتے ہو؟“

”یار ہے اپنا..... ہزار نے ہیچھا چھرانے کی غرض سے بے بن ہو کر کھا۔“

”یہی توڑپ ہے.....“ وہ سر چک کر خیجے کے اندر آنے کو تھا کہ زمان

اٹھ بیٹھا دیجیں مistr.....“

”Mistr نہیں..... گنگ..... تم مجھے اسی لقب سے پکار سکتے ہو،“

”گنگ؟“

”ہاں..... گنگ آف سکٹ لینڈ.....“ آنکھوں کے گرد حلقت سیاہ تر ہو گئے کہ وہ گھری متاثر سے زمان کو معلومات فراہم کر رہا تھا۔ کبھی میرے بڑے بڑے سکالش اپنی لینڈز پر حکمران تھے، اپنے بیگ پاپیں سمیت۔ میرے خیجے میں پر ا شجرہ نسب موجود ہے لیدی..... جو نہیں تھمودیت اور عوام کا یہ ممبونجبوختم مُواہد رُگ مجھے لے جائیں گے اور سکات لینڈ کا شاہی تخت جھاؤ پوچھ کر میرے حوالے دیں گے..... ہے لیدی تم اس بات پر بے حد مغزور نہیں ہو گے کہ تم ایک شادا کو ذاتی طور پر جانتے ہو..... ہیں؟“ وہ کھلکھلا کر منہ دیا۔ اور ہاں تم شاید کچھ کھنے والے تھے۔“

”میں یہ کہنے والا تما گنگ کہ میں تھکے دس برسوں سے بریڈ فرڈ کی ایک فیکٹری

میں کھڑکیوں کے سیاہ پُرٹے شیشیوں کو صابن سے وحشی نے پر دکھا ہوا ہوں۔ اس دودان کبھی  
ملکو والپس نہیں گیا۔ میں کیسے.....؟

لیکن کامسر فی المور خیے کے پردے سے باہر جلا گیا مگر فراؤ ہی پھر منودار ہو گیا۔  
”تم اپنے لہک کے سر برآہ کو ذاتی طور پر نہیں جانتے ناں؟“  
”نہیں۔“

”تو پھر میرے پاس ایک ایسا نسیم ہے کہ تم جان سکتے ہو۔“  
”وہ کیسے؟“

”باہر اور پھر بتاول گا۔“

نہان کو یقین تھا کہ باہر آنے پر اُس کے جڑے ایک ایسے باکسر کی طرح گاڑاں  
میں سے اُبھرے ہوئے ہوں گے جو بچتے کی شدت سے بچتے کے لیے منہ میں چڑیاں  
کا گولا رکھتا ہے۔ انکرالی بے شکم صورت حال میں وہ باہر نہ آتا تو اور کیا کرتا۔  
کسی سازوں کے لگیے لمبیں کی طرح سند سے آنے والی ہوایاں نہ کہیں نہیں۔  
لیگنگ کے ہمراہ بیتوں کا شکر بھی تھا جو اُس کے خیے کی جانب رُخ کرتے ہی  
اباؤٹ ٹرن ہو کر اُس کے چیچے چیچے مارچ کرنے لگا۔ لیگنگ اطمینان سے اپنی کرسی  
کے پاس گیا اور اُس کی پیشت پرشاہزادہ امداد میں ہاتھ رکھ کر اپنے دامتون کی نمائش  
کرنے لگا۔ پھر فی المور اُس کے اگھے تین دامت منہ میں غائب ہو گئے۔ البتہ وہ نہیں  
نیبان سے ادھر اور صرگھاتا رہا اور ان کے اصل دانتوں سے ٹکرلنے کی لمحہ بکھر سے  
لطف انہوں ہوتا رہا۔

”تمہارے لہک میں بھیاں بہت زیادہ میں ناں؟“

”اں بہت زیادہ۔“

”یہی تو ٹریپ ہے۔“ ٹریپ لفظ کی ادا ایسی ہے اُس نے اپنے منہ میں پھرتے  
اوارہ دانت کھٹاک سے تبیسی میں فٹ کر لیے۔ ”تم فراؤ اپنے لہک والپس جاؤ اور  
اُس کے سر برآہ نہ کلت سے کہو کہ ممکھا سے ایک دوست..... یعنی میرے پاس

ایک ایسا نہ ہے جس کے استعمال سے پریس پاکستان میں بھیوں کا خانہ ہو جائے گا  
اور یوں وہاں ایک صاف سفر امکیوں سے پاک نظام قائم ہو جائے گا.....  
یقیناً اس پیش کش سے نامہ آٹھانا چلے ہے گا اور یوں تم اس کے بھی دوست بن جاؤ گے  
”بہت بہتر“ زمان نے ایک بی کو جو خاصی دیر سے اس کے شنے پاؤں چاک  
رسنی تھی ایک ٹھڈار سید کرتے ہوئے غصے سے کہا۔

”تو چکرب جا رہے ہو؟“

”چلا جاؤں گا دوچار روز میں؟“

”ہے لیڈی.....“ زمان اپنے خیے میں جانے کو مڑا تو گنگ نہ صداری۔  
”تم نے پوری بات تو سُنی ہی نہیں۔“

”یوں سبھی.....“ زمان نے جعلی تعطیل سے جھکتے ہوئے پوچھا۔

”مکھیاں مفت میں تو ختم نہیں کروں گا.....“ گنگ اتر اکر لولا میری فیں  
ہوگی..... صرف دس لاکھ ڈالر..... نیادہ ہے؟“

”نہیں بہت مناسب ہے.....“ وہ چاٹنے والی بی اب زمان کی جیں کو  
چباٹے کی کوشش کر رہی تھی۔ اپ کی یہیلی.....“

”بلی؟“ گنگ نہیں دیا۔ ٹلا ہے..... ٹام کیٹ..... شی کیٹ نہیں ہے۔ بلی  
کی جنسی زندگی کے بارے میں جانتے ہو۔ نہایت لچپ.....“

”جس کا حوالہ سن کر زمان بے حد فر شریط ہوا اور فردا اپنے خیے میں چلا گیا۔  
”ہیلیڈی.....“ بوڑھے کامر پھر خیے کے اندر جا نک رہا۔

”زمان کا پارہ چڑھ گیا۔“ اگر اپ بُرا نہ مانیں گنگ تو..... میں..... اس وقت.....  
آرام..... کرنا..... چاہتا ہوں۔“

”وراصل میں سونج رہا تھا کہ تم میرے دوست ہو۔“ گنگ نے زمان کے آگئے  
ہوئے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ اور میں اپنے دوست کے لیے ہرقابانی  
وے سکتا ہوں۔..... پائیخ لاکھ۔“

کیا پانچ لاکھ؟“

”میں صرف تھاری وجہ سے مخلکے ملک کی مکھیوں کو قتل کرنے کے لیے اپنی فیس  
نصف کرنے کو تیار ہوں۔ صرف پانچ لاکھ ڈالر چارج کروں گا، شیک ہے“  
”شیک ہے“

”اب تو خوش ہوتا ہے۔“

”ہا۔ ہا۔“ زمان نے ایک پتلی کی طرح ”ہا ہا“ کیا مگر لگنگ اس بناوٹی قہقہے کے  
کے خاتمے سے پیشتر ہی غائب ہو گیا۔

”میرا خیال ہے پکستان ایک عزیب ملک ہے“ وہ پھر آگیا۔

”ہاں ہے“ زمان نے دانت پیٹتے ہوئے سر جھکتا۔

”پھر تو زیادتی ہے۔“

”کیا زیادتی ہے؟“ زمان تقریباً ہیٹ پڑا۔

”یہی پانچ لاکھ ڈالر.....“ بوڑھا بالکل مسدود ہے میں کہنے لگائیں اتنا جگہ  
نہیں ہوں کہ ایک عزیب، پسمندہ، مکھیوں سے بھرے ہوئے ملک سے پانچ لاکھ  
کی رقم چارج کروں..... میرا دل روتا ہے ان کا لے ایسا ٹائی مکون کے لیے.....  
صرف ایک لاکھ ڈالر..... اور یہ فائل ہے۔۔۔ نائل اب تجھے؟“ اور چکے سے سر  
نکال کر غائب ہو گیا۔

شام تک اس کا دل زمان کے عزیب ملک کے لیے اتنا روایا، اتنا روایا کہ  
فیں گھٹتے گھٹتے پانچ ہزار ڈالر رہ گئی۔

سو منگ کا سٹیوں کے خت الاشک بنیڈ اور بدن کے درمیان انگلی چلا کر  
اُس نے آہستہ آہستہ الاشک کے کٹبے ہوتے دانتوں کو گوشت سے علیحدہ کیا  
اور اس عمل سے سکون محسوس کرتے ہوئے ریت پراوندھا لیٹ گیا۔ کاٹیوں نیا  
تھا اور اُس کا سخت الاشک پانچ دس منٹ کے بعد بدن کو چینیوں کی طرح چلنے

لگتا تھا۔ کبھی بدن پر سورج کی تمازت غالباً آ جاتی اور سونہر کی نصل اُگ کر سو شیاں سی  
چھپنے لگتی اور دوسرے لمحے سمندر کی نیم خنک ہر اسے کچھی طاری ہو جاتی۔ وہ انھیں  
موندھے لیٹا رہا اور ملخہ ہلخار تی دل جوں کی کیفیات اُس پر واڑہ ہوتی رہیں سمندر  
کا ہلیان اُس دبی دبی سر سراہٹ سے عیاں تھا جو ہر دوں کے دیت پر چھپنے والے  
چھپنے سے دجوں میں آ رہی تھی۔ سمندر سے آنے والی ہوئے یک دم سانش لوگ  
لیا اور اُس کی پشت پر چھپتے ریت کے ذریعے نے حدت کی چھٹی پھر دنی گکروں  
کی صورت میں اُسے بے آرام کر دیا۔ وہ سستی کے خمار میں اٹھا اور رکھڑا تما ہوا پانی  
کی حدود میں داخل ہو گیا۔ پھرے ریت نے اُس کے گرم تلوں کو چُسا اور پھر چند  
قدم چلتے کے بعد پاؤں میں کورل کے نوکیلے پتھر چھپنے لگے۔ پانی ہترستک آیا تو  
اُس نے اپنے آپ کو زمین کی گرفت سے چڑا کر سمندر کے سینے پر لٹا دیا۔  
کزان کا شکستہ ہوا جال تاحد نظر سمندر پر چھا ہوا تھا۔ اب وہ کہاں جائیں گی؟  
سمندر پر جال ہے۔ اس کے سوراخ بس اتنے بڑے ہیں کہ ان میں سے چھٹی<sup>ڈ</sup>  
چکیاں اور تھیر مخنوں تو باسانی نکل جاتے گی مگر وہیں چکلیاں؟ اب وہ کہاں جائیں  
گی؟ انھیں سانش لینے کے لیے کوئی جگہ نہ ملے گی۔ زیراً اب کتفا عرصہ رہیں گی اُو  
سمندر پر جال تنا ہے۔

دو ہفتے کی سالا نہ چٹی کے خانے میں کتنے روز یا تھے؟ وہ فی الحال اپنے  
آدم کرتے ہوتے خالی ذہن میں اُس بند فکیری کی بُو داخل نہیں کرنا چاہتا تھا،  
جو اچھے ایک بس کے لیے پھر سے اُس کا جغا افیدہ اور آب و ہوا ہرگی۔ سمندر کے نہیں  
لب ابھی سے چیچے ہرٹ رہتے تھے اور بریڈ فروٹ کی فکیری کا میکا کی جبڑا ہو لے ہے  
قریب آ رہا تھا۔ علی کاشت کی کمپنگ اس کے لیے کچھ اتنی ثمر آدراست بنت نہیں  
ہوتی تھی۔ یہاں خاندانی بچھٹے زیادہ تھے اور اکثر تھم بہت ہی کم، اور جو تھے  
وہ اُس کے سنبھے میں چوت لیٹنے کے بھارتے باہر کھلی ہوا میں اوندھا لیٹ کر سن رہیں  
پر زیادہ اُمل تھے۔

بادشاہ اور اس کی بیویوں کی رفتاقت، ہمیں نام مچھلیوں کی سروں میں سے بخکھنے والی لوڑ، انسان کتنی دیر برداشت کر سکتا ہے۔ زمان کو کہیں کھجارتیا محسوس ہتا جیسے وہ بواؤس کے تن بدن میں رہ گئی ہے اور بریڈ فورڈ والپی پروہ کسی طوائف کے قریب گیا تو وہ اُسے کہتے گی کہ تم مچلی ہو ٹھیک ہے کل صحیح والپی وطن کی جانب نہیں، بریٹیا بارکی بیڑا و رکوری طوال العزیز کی طرف۔

کینگ کے استقبالیہ دفتر میں چوکیدا عورت فرش پر تون دلوش ڈھیر کے بیٹھی تھی۔ اُس کے ایک باتھی میں سستی واٹن کی ایک بولی سختی اور دسرے میں ایک لمبی بولی ہوئی جسے وہ اس شرعاً مشدود کے ساتھ گھٹوروٹی کھارہی تھی۔ شراب کا گھونٹھی حلقت سے اُترنا تو وہ اکھاڑے میں اُترنے والے کسی پیلان کی طرح اپنی دیستہ ران پر دھپ جا کر مسترت کا انطمار کرتی۔

”تجھے اپنا پاسپورٹ اور گرانے کا بابل چاہیے۔ کل صحیح جانے کا ارادہ ہے“  
وہ بعد مشکل فرش سے علیحدہ ہوئی اور داخلے کے درجہ کے درق پلٹنے لگی۔  
”ا..... بیان پر..... پاکستانی ..... آج کی شب ٹاکر کل چھ دن کا کرایناڑھ چھاڑو  
پیتیے“

بیل وصول کر کے اُس نے پاسپورٹ زمان کے عالیہ کیا اور پھر فرش پر ڈھیر ہو گئی۔ واٹن کی بولی کو ایک بھرپڑے ہوئے محبوب کی طرح بتیابی سے منڈل کیا اور ران پر دھپ جا کر ہنستی ہوئی کھنے گئی۔ بادشاہ سے خوفزدہ ہو کر کیوں جا رہے ہو، کسی اور مقام پر خیبر لگائیتے۔ بد بخت جب بیان آیا تھا تو کہتا تھا کہ مکھیوں سے پاک نظام رائج کرنے آیا ہوں۔ پانچ سال ہونے کو ہیں، جاتا ہی نہیں۔“  
”آپ لوگ اُسے زندگی کیوں نہیں نکال دیتے؟“

”بس سستی کہہ لو، بزدلی بھی شاید کہ وہ داعی طور پر ڈھیلا ہے۔ خواہ مخواہ کوئی ہنگامہ نہ کھڑا کر دے۔ دوسری کینگلر والے ہم پر منتے ہیں کہ دیکھو کس خبلی کو اپنے

اوپر سلطنت کر رکھا ہے..... اختم ہو گئی۔ اُس نے بوتل کے سبز شیشے پر اُلبتی ہوتی آنکھیں رکھ کر یاس سے کہا۔

کینگنگ کے دفتر سے نکل کر وہ اپنے خیلے کی طرف جارہا تھا کہ جرم جڑے سے طاقت ہو گئی۔ فرٹزا حسب معمول ایک اصلی مُرغنا بنا سینہ پھلانے آگئے آگے او رکھنے اس سے دو قدم ویچھے دست بستہ اپنی حالت میں مست ہجھ کامنٹز جیسے شارک کے پہلو ہے پہلو پا لیٹ فرش تیرتی ہے۔ زمان کو دیکھ کر اُمھوں نے کچھ سسر پسکی اور پھر فرٹزا کرڈر بولا ہے پاکستانی! آج ہفتہ کی شام ہے یہم دونوں بیان سے ۲۰ کلو میٹر کے فاصلے پر مبینی ڈوران جارہے ہیں۔ فنِ سُری، ہسپاونی اشیائیں اور مختصر سے یہی سہرے بالوں والی لڑکیاں۔ ناشٹ تکب اور ڈسکردا تنے کہ اگر ایک میں بور ہو جاؤ تو دوسرے کی تلاش میں چلتا نہیں پتا مادہ ان سے نکلا اور برابر کے دروازے میں داخل ہو جاؤ۔ چلے گے؟

”فرٹزا اپنی سپرٹس کا رجھی لے جا رہا ہے“ گنھرنے خشامدی ہیڈ کر کی طرح کہا۔

”دو انسان اگر اکٹھے ہوں تو اُسے رفاقت کا نام دیا جاتا ہے مگر تیرا آجائے تو اُسے جگھٹا کہتے ہیں“ زمان نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اُسے منیں ٹھوڑا بولا“ دو انسالوں کی رفاقت ہوتی تیرا جنم لیتا ہے۔ ”گنھر اپنا ابلتا ہوا قمعہ روکنے کی کوشش میں آبدیدہ ہو گیا اور بالآخر مجبور ہو کر پھوٹ پھوٹ کر ہنسنے لگا۔

”کیا بات ہے؟“ فرٹزا پوچا۔

”فرٹزا ضروری تو نہیں کہ دو انسالوں کی رفاقت سے تیرا جنم لے لے مثلاً.....“

”بجوں نہیں کرو شوان۔“..... فرٹزا مگر جا اور پھر زمان کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ ”چلو گے؟“

زمان نے کچھ سوچ کر حامی بھر لی۔ لیکن بارہ بجے سے پہلے نوٹ آنا پسند کروں گا۔

بیس جارہا ہوں۔“

فرنز نے ایک ابر و چڑھا کر کہا ہے خود بادہ بجھے سے پہلے سو جاتے ہیں۔“  
سو جاتے ہیں فرز؟“ گفتہ ایک لالچپی بچے کی طرح بھکنے لگا۔

تمہم ہمیشہ بجا اس کرتے رہتے ہو شواہن عزیز کے پتے لبڑ پر پہلی مرتبہ  
مکراہٹ تیری“ ہاں تو پھر شام کو.....  
اور پھر وہ اُسی ترتیب سے آگے بڑھ گئے۔

سوڑہ، کار کی پچھلی نشت ایک قبر میں۔ زمان گھنٹوں پر ٹھوڑی دلائے یوں  
پہنسا بلیخا تھا جیسے کسی سار ڈین مچھلی کو دوہارا کر کے ٹین میں پیک کر دیا جائے۔  
فرنز اور گفتہ کے کندھوں کے درمیان میں سے اُسے بند سکریں کا ایک لمبڑا  
حستہ نظر آ رہا تھا۔ کبھی کبھار سمندر کی ایک بیلی قاش دکھائی دے جاتی اور پھر فردا  
ہی اُس پر ساحلی چٹانیں حاوی ہو جاتیں۔

بینی ڈور ان مقامی“ فن شی ” تھا۔ ایک ایسا قصبہ جسے شمالی یورپ کی امیرا قاؤنٹے  
اپنی شاملہ کو سرخ کرنے کے لیے اس طرح فتح کیا تھا کہ اب ہاں مقامی باشندے  
خال خال ہی نظر آتے تھے اور کہیں نظر آتے؛ وہ تو ایک مکھی کی طرح گندے اور  
ثروت کے مظاہر میں رینگتے غربت کے گچھے بختے۔ ان کی غلیظ موجودگی سے  
دیگریں کی لینڈ سکیپ پر دھبے پڑ جاتے تھے۔ چنانچہ تمام سٹورز، نکل، ڈسکوڑ اور  
ساحلی بیلگے سویڈیز اور جرمزوں کی ملکیت میں تھے اور مقامی لوگ قصبے سے باہر واقع

سلنر میں ٹھٹھے ہوتے تھے، تیلے میں بند کھبیوں کی طرح۔  
ایک دیوار پر ڈسکوڑ سپر سکیں“ کا نیون سائن بھڑک رہا تھا۔ فرز نے کار ایک جھکے  
کے ساتھ بندگ کر دی۔ دیوار کے پہلو میں سے ایک ہسپاڑی بیوں کی سی آہستہ خرامی سے  
اُن کی جانب آیا۔ ڈسکوڈیز ک۔ فری شیپن اور گرلز..... دوسروپتے نی کس“  
”گرلز؟“ فرز نے دانت پیس کر کار شارٹ کر دی۔

اس کے بعد منتدد جگہوں پر کارروکی گئی گرفتاری وہی تھا۔ ڈسکو میوزک فری شیپیٹن اور گرلز..... اتنے سریضتے ہی فرٹن نہایت غور سے میزستا اور گرلز کا ڈنک کھا کر جبڑوں کو بینچ گر کساتے ہوئے کارٹارٹ کر دیتا۔

بالآخر دھقہ سے ہٹکر ایک نیم تاریک گلی میں داخل ہوئے یہاں پر بیوی کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا لیعنی ”ڈسکو میوزک فری شیپیٹن اور ٹنفت موافقن...“ فرٹنے کا رپارک کی اور زمان کو ٹھی ملائمت سے کہنے لگا۔ تم فرداں کا رکے پاس رکو ہم دیکھ کر آتے ہیں کہ کسی چیز سے قریباً سلف گھنٹے کے بعد وہ ایک دسمبر کا ہاتھ تھامے ہوئے باہر نکلے ہی فضول جگہ سے۔ کوئی اور ٹھکانہ ڈھونڈتے ہیں۔

اسی قسم کی ایک اور ڈسکو کے پاپر فرٹنے ایک مرتبہ پھر زمان کو کار کے پاس چھوڑا اور معائنے کی خاطر اندر چلے گئے۔ زمان کا رکے دنست پر عیناً اکٹھا رہا۔ ایک گھنٹے کے بعد جب وہ یا ہر آئے تو فرٹن زمان پر پھٹ پڑا۔ تھین معلوم نہیں کہ اس کار کی کیا قیمت ہے؟ شاید تم سے بھی زیادہ.....“ لختنے اس کے کندھے پر آہستہ آختہ رکھا تو وہ ایک دم فرم پڑ گیا۔ سیرا مطلب ہے بونٹ پر مشین سے خواہ محواہ ڈینٹ پڑ جائے گا..... یہ تجھے بھی اتنی خاص نہیں کہیں اور چلتے ہیں۔“ رات کے بارہ بجے تک وہ پانچ مختلف ڈسکو زمیں گئے اور انہیں نہوڑنے قرار دے کر واپس آگئے۔ البتہ ہر مرتبہ وہ پھٹے سے زیادہ ہنسنے ہوئے اور جھومنتے ہوئے باہر نکلتے۔

”پھر کسی روز قسمت آزمائیں گے پاکستانی“ فرٹنے آخڑی ڈسکو میں سے نکلتے ہوئے خارآؤ دنکھوں کے پورٹے چڑھاتے ہوئے کہا یا اُو واپس چلیں۔“ علی کافست واپسی پر بچلی نشست کی قربیں وضنے ہوئے یکدم زمان پر بخشان ہوا کہ اُسے ہمراہ لے جانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ فرٹن کی قیمتی سلو روشن کار کی چونکیاری کے فراغن انجام دیا رہے..... شواہن۔

خوشبو مجھے بلاتی ہے میرا پیٹ خالی ہے لور میں کھنچا چلا جا رہا ہوں میں بیننا  
رہا ہوں اور یہ بیننا سڑ میرے بازوؤں میں سے خارج ہو رہی ہے میں اُڑ  
رہا ہوں۔ میرے پاؤں کہاں ہیں؟ پیٹ کے ساتھ پیٹ جو خالی ہے میں خود  
ایک سمجھتی ہوں۔ میں اکیلاندیں ہوں۔ میرے گرد مکھیں کا ایک انبوہ ہے گلاؤ کے  
پھرے انسانی ہیں اور دھرم مکھیں کے۔ میرا یہ کسے چھرے پر کوب کا ایک لفظ  
کھدا ہوا ہے جس کے اپنے کوئی معانی نہیں مگر ان سب چروں کے لفظیں کر کوب  
کی کر میرہ تصویر نہ رہے ہیں۔ اُن کی لکھتی ہوئی انسانی زبانیں خراک کی متلاشی ہیں  
خراک جو خوشبو کی پاگل آڑان سے ہی حاصل ہو گی۔ ہم خوشبو کے اسی ہیں ہم خشبتو  
کے پچاری ہیں اور اُس راستے پر گامزنا ہیں جس کے خاتمے پر وہ مندر ہے جس میں سے  
خراک کا دیتا ہے ہم کھنچے چلے جا رہے ہیں اُس ٹہپ کی جانب جس میں سے  
خشبتو ارسی ہے، بادشاہ کے بنائے ٹریپ کی طرف سلاکھوں انسانی چہرے ہیں کوکھلے  
پچکے ہوئے جو آڑان میں ہیں۔ بھجو کے پیٹ سے ڈال گئی چکانے خوشبو کے راستے پر  
اُن سفر جس کے اختتام پر خراک ملنے کی آمید ہے۔ فنا کا سر و غرف تحلیل ہو رہا ہے  
اور پیٹ سرہن کی آمید اسے میں پچھی جاتی ہے..... میں مست ہوں۔ یہ جہاں  
کرناسے اپوگن ساعتوں کی واردات مجھ پر بیت رہی ہے۔ اک عالم غائب ہے،  
یا میں سچ مجھ ایک بھی میں بدل چکا ہوں۔ دوسرا کوئی پرکھرے درباری کیوں اپنی دو،  
ہنسی تو شترے سوکھتے ہیں اور پچھے جموں والے لاکھوں بچے منتظر ہیں۔ خوشبو مجھے بلاتی  
ہے..... بلاتی ہے۔

اور بادشاہ کا سر زہن کے مثیل میں پسجا مکارا ہے۔  
زمان نے کروٹ بدی۔ باہر رات سختی، سمندر خاموش تھا۔ اُس نے اُٹھ کر  
سگرٹ سلگایا۔ بُختی، صرف مچھلی کی نہیں، بلکہ ایک تازہ اور قتل لانے والی بُجھی  
تازہ ذبح شدہ بکرے کے گوشت میں سے ہمک آتی ہے۔ گوشت پر چھری چلنے کے  
فوار بعد جو ہوا رہاتی ہے دیسی بیان مورہی تھیں۔ ایک اور آواز بھی تھی۔ بکرے

کے فرخ بیٹیں سے خارج ہونے والے مت کے خراویں الیسی - حیرانی آواز بے پناہ  
بُوحقیٰ یگر تھم تک کے زمان نے سیپینگ بگ کو اپنے چہرے پر کھینچا اور بُوحقیٰ اس  
بُوچاڑ بیٹیں سونے کی کوشش کرنے گا۔

باہر مل چک رہا تھا۔

زان ہچکی شب کی شیخ خوبی کے باعث خاصی دیر تک سویا رہا اور جب اُس کی  
اہمگی کھلی تو باہر دن چک رہا تھا۔ اُس نے انتہائی عجلت میں اپنا سامان مُرک سیکیں  
ٹھوڑنا اور شنر اکھاڑنے کی نیت سے باہر آگئا۔ باہر دن چک رہا تھا مساعلِ سورج  
پر اتنی تیز روشنی اس نے پہنچ کی ہی ندوی ہمی۔ پہلی صبح کو زمین سے علیحدہ کرتے ہوئے  
لاشوری طور پر اُس کی نگاہ بادشاہ کی خیتے کی طرف چلی گئی۔

پردہ گرا ہوا تھا اس کا اخبار شیخے کے باہر بھی کرسی پر آن کھلا پڑا تھا۔ اگرچہ ہوا  
ہمی گر بھندانا چیختہ دالہ رہا نہیں رہا تھا۔ لیاں بھی نا مشتبہ تھیں۔ بادشاہ کے ٹریپ پر ان  
نکتے آن پر تکمیل کے عزل نہ تھے۔

بُوڑھا ہر صبح سات نجے اپنی بیوی سمیت شیخے سے باہر آ کر اپنی کرسی پر برابران  
ہو جایا کرتا ہے۔ اُج دن چڑھے تک جانے اندر بیٹھا کیا کر رہا ہے بیشاپیکسی کام  
کے سلسلے میں شہر چلا گیا ہو مگر وہ تو صبح سے شام تک صرف ایک کام کرنا تھا۔ مکیوں  
سے بھرے تھیوں گوسیٹ کر سمندر میں ڈبوئے کا..... بہر حال..... زمان نے  
اپرداٹی سے کندھے سکیڑے اور منیں اکھاڑتا رہا۔ خیرہ لیٹ کر اُس نے زک سیک پر  
باندھا اور اُس سے اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ بادشاہ کے شیخے کا پردہ ابھی تک گرا ہوا تھا  
زان باہر جانے کے لیے چند قدم چلا اور پھر کچھ سوچ کر والپس آگیا۔ دو انگلی سے  
پیشتر بادشاہ کو فدا حافظ فخر کہنا چاہیئے، آخر وہ اتنے روز اس کی ہمسارگی میں رہا تھا۔  
اس نے آگے بڑھ کر شیخے کا پردہ سر کایا اور اندر رجھا نکا۔

وہیل زیر اُب جاتی ہے موت سے خالق ہو کر۔ مہیب پانیوں میں روپوش ہو

ہو جانا چاہتی ہے سگر سے سانس لینے کے لیے کبھی سطح آب پر آتا پڑتا ہے اور سطح پر ایک آخری نیزہ اُس کا منتظر ہوتا ہے اور آخری نیزہ اپنی شکنی نک اس کے جنم میں گاڑ دینا ہے وہیں کا جو آخری مرتبہ ایک مخصوص رنگ کی سرخی میں زنگنا گتا ہے، اور اس عربوب کو ماہی گیر سرخ پھول کہتے ہیں۔  
اندر بُر تھی اور بُجنہا ہمٹ تھی۔

ایک کرنے میں بلیوں کا ہجوم خاموش بیٹھا زبانیں چاٹ رہا تھا۔  
اُس کی بتیبی پر اس نے تھا مگر وہ مسکرا رہا تھا اور قتل دانت ملن میں پھنسے دکھائی دے رہے تھے۔  
ٹہریاں سنگی تھیں۔ درظرے لٹک رہے تھے۔ اور جہاں گوشت باقی تھا اُس پر گھٹے ہوئے دانتوں اور اوھیڑتے ہوئے پنجوں کے خون آکو دمرخ نشان ثبت تھے۔  
اور لمحہ آخر کی پہچان کرنے والی ٹہریوں اور گوشت پر مکھیاں بُجنہاری تھیں۔  
اور باور شاہ کا سخن شدہ چھڑکا زبان کی جانب دیکھ رہا تھا۔  
باور شاہ سنگا تھا۔

لیوینا یہ جنگمن ادی رنگ ازڈیڈی!!

# ذات کا قتل

انتونیو نے مانیلا کی بولی آٹھا کر اپنے گرم مانچے کے ساتھ لگا دی۔ چاند کی کریں  
بول میں باقی ماندہ شراب کے قطروں میں جھلکائیں اور منعکس ہو کر اس کی کالی بھروسہ  
محض آنکھوں میں اُترتی چلی گئیں۔ ”ولوا“ اس کی بھرا تی ہوتی آواز بُل رنگ کی ہزاروں  
خالی نشتروں سے مکار گوئی بھی اور اس نے بول مانچے سے دھیرے دھیرے  
سرکار کے اپنے منہ میں اُندھیل لی۔

قرطیبہ کا وسیع دعیریعنی میں بُل رنگ پھلے پہر کی مدھم چاندنی میں کسی قدیم زینتی قصیر  
کے گھنڈر کی طرح اُراس اور ہیبت ناک لگ رہا تھا۔ خاموشی ہر سر پر پھیلائے سے سو  
رہی تھی۔ بُل رنگ کی تیرسی منزل کے اوپر ایک چھا جا آیا ہوا تھا اور وہاں مکمل اندریعی  
کا راج تھا۔ وہ سری منزل کے خود خال بھی پوری طرح عیال رہتے۔ البتہ پنکی منزل  
کی غالی نشتریں قطار اندر قطار چاندنی میں چک رہی تھیں۔ انتونیو نے غالی بول کے  
بڑی بڑی پر اپنے سنا تے ہوئے لب رگڑے پھر بے حد اختیاط سے اگلی نشست

پرٹا کر اسے اُنگلی سے چھوڑ دیا۔ بوتل ایک جھوٹنے کی طرح جھوبلی اور پھر وہ مرنی شست پر لڑاکھ گئی۔ ایک ..... دو ..... تین۔ انتونیو جلدی جلدی نشستوں کی ان مزدوں کو گھسنے کا جھنپیں ڈھکتی ہوئی بوتل اپنے مومنظم میں تیزی سے طے کر رہی تھی۔ یا اس تیزیس ..... اور پھر اسی سکے بوتل کے ٹوٹنے کی آواز ایک چنانکے سے پوسے بُل زنگ میں منتشر ہو گئی۔ مشراب کے ایک ایک گھنٹ سے تعمیر شدہ عارضی سکون کی جود دیوار انتونیو نے پچھلے دو گھنٹوں میں اپنے سیاہی ہیجان کی بنیاد پر تغیری کی تھی وہ ڈوٹنے لگی اور پھر دھڑام سے نیچے آگئی۔

”تم خفزو دہ ہو انتونیو! ایک اندر کی آواز نے پچکے سے کہا۔ انتونیو نے بھکل سر اٹھا کر چاروں اور دیکھا۔ پورا بُل زنگ سنسان ڈالتا۔“  
”آج دوپہر انتونیو۔ آج دوپہر ایک اور سرگوشی ہوئی۔“

انتونیو کا اندر ڈنکرے ٹھکرے ہوئے رکا۔ پارے کے ایک اعتماد میں یہ کہتے چنانوں، بر فانی تو دوں اور جزیرہ دوں کی مانند ابھرتے اور ڈوب جاتے عظیم میں ناہر بننے کا جزیرہ۔ آج کے دن تک پہنچنے کے لیے سالہاں کی شب در دوز کی محنت اور ذاتی خواستات کی قربانی کی چنانیں۔ بُل فاطر بننے کے لیے بے پناہ پیدائشی صلاحیت کا بر فانی تردد اور پھر اس پوسے سمندر میں خوف اور دہشت کے سینو لے تیرتے ہوئے۔ جن کے زہر کا لنش آور تریاق اس نے مشراب میں ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

انتونیو قرطبہ کے سان مریزو محلے میں رہائش پذیر چڑے پر نقش دنگار بنانے والے ایک دستکار کا بیٹا تھا۔ بُل فاطروں کے محلے ”میں رواثت کے مطابق ہر رُٹ کا پیدائشی طور پر بُل فاطر ہوتا ہے۔ اس کی تینگ لگبودھ اور سفید مکالوں میں موناکیت، دیکھو اور گورتیا جیسے اندھس کے عظیم بُل فاطروں نے پورش پائی۔ آج ہسپانیہ اور جزیبی امر کیوں کے ہر باشدے کے دل میں عیسیے اور مریم کے بعد اسی تین بُل فاطروں کے لیے عقیدت کے چراغ جلتے ہیں۔ انتونیو کو بھی سان مریزو

میں رہنے والے تمام پتوں کی طرح پختہ لیقین تھا کہ ایک روز میوزے دے تو روں ”  
یعنی بُل نامنگ کے عجائب سب گھر میں ایک اور بُل کی تعمیر ہو گی جس میں انتو نیو کے  
ہاتھ مارے جانے والے بُل کی کھال لٹکے گی اس کا زرق برق بیاس شیشے  
کے شرکیں میں تک کے رکھا ہو گا اور اس کا قدام مجید ہال کے وسط میں نصب  
کیا جائے گا۔

انتونیو گرمیرول کی چھٹیوں میں اپنے باپ کی نیم تاریک و رکشہ میں بیٹھنے کی بجائے  
قرطیب کے نواحی دیہات کی جانب نکل جاتا جہاں ”نا ولڈو“ نامی بُل فائٹش کھڑت سے  
ہوتی ہیں۔ ان بُل فائٹشوں میں ذعر بیشنروں کے ساتھ کھیلا جاتا ہے اور حسبِ ذات  
کمیل کے اختتام پر اُنھیں ہلاک نہیں کیا جاتا۔ سان مرینو کے باشندے انتو نیو  
کی بہادری کے اس روز قائل ہوتے جب ایک وحشی بُل اکھاڑے کی گیلری پھلانگ  
کرتا شایدیں کی نشستوں پر چڑھ آیا تھا اور انتو نیو نے گیلری پر رکھی کسی بُل فائٹر  
کی توار اُٹھا کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا تھا۔ اسکوں سے فارغ ہوتے  
ہی وہ میڈرڈ چلا گیا اور پھر پرے تین بُس کا ساٹھی مورو کے جنگل میں درختوں  
کے پتے سیمیٹ سیمیٹ کراس نے اتنی قدم جمع کر لی کہ وہ میڈرڈ کے بُل نامنگ  
مکمل میں داخلے کے۔ صرف دہشت پیشتر اسے پلازا فے تو روں میڈرڈ  
میں پر فشیل بُل فائٹر کے خطاب سے زادا گیا تھا اور آج چھلے پر قرطیب کے  
اسی بُل رنگ میں اس کی پہلی بُل فائٹ تھی۔ قرطیب جہاں کے رہنے والے اس کمیل  
کے رسیا نتھے اور وہ ایک بُل فائٹر کا ہر پرو سے جائز ہے کہ ہی اس کے حق میں  
بیصل دیا گرتے تھے۔

انتونیو نے جھک کر اکھاڑے کی ریت کر چھوا سردا درخشک — آج دو پر  
اسی ریت کو آندس کے سورج کی تمازت سے تپ جانا تھا اور بہر طور فرم ہونا تھا۔  
کیا اس ریت پر بُل کا خون گرے گا یا انتو نیو کا ہو آہستہ آہستہ چلتا سورج پھاٹک  
کے پاس آگیا جس میں سے آج دو پر ایک ایسے سیاہ جانور کو برآمد ہونا تھا جو اسے

یا تو شہرت کی بلندیوں سے ہنکار کرنے کا یا پھر عمر چھڑ کے لیے اس کو شہر میں کو مقدر بنا دے گا جس میں کئی صدیوں سے اُس کے آباؤ اجداؤ چھڑے پر نقوش بن کر اپنا پہیٹ پالتے تھے۔ ان تو نیوں نے جھک کر اپنے ہنست تازہ روغن شدہ سرخ چانک پر چپا کر دیتے۔

مُل رنگ میں ہو کا عالم تھا۔

بُوڑھے کارروں نے اپنے عرشہ زدہ ہاتھ سرخ چانک پر کھا اور چھڑے پوری قوت سے دھکیل کر خود گیری کے سامنے چک گیا۔ چمکتی سیاہ کھال کا ایک خوفناک جنم بر ق رفتاری سے اکھاڑے میں داخل ہوا۔ گیری کے سامنے ساٹھ ایک پیڑ لگانے کے بعد ریت میں اپنے شم کاڑے اور پھر سراٹھاگر ان لائعدا د خاموشش لوگوں کی جانب دیکھا جو قرطبو کے مُل رنگ میں اس کی آمد کے منتظر تھے۔ اس کے سامنے ہزاروں تماشا تیوں کے ہاتھ بلند ہوئے اور تالیوں اور غروں کا شور مُل رنگ کی فضا سے اٹکر پوسے شر پر چاگیا۔ ان تو نیوں کا بُوڑھا بیاپ اپنی ورکشپ کے ایک کونے میں چھڑے پر کندہ مریم کی شبیہہ کے آگے جھک گیا۔ یہ مقدس مریم ان تو نیوں کی لاج رکھیو ॥

ان تو نیوں ستری بروکیڈ کی جیکٹ، چکلے نگول اور گوٹے کناری سے مزین تپلوں اور چھڑے کے بُرگوں میں ملبوس گیری پر ہاتھ رکھے مُل پر نظری جملائے کھڑا تھا۔ اس کے معاونین مُل رنگ میں داخل ہو کر مُل کی شوخی اور تیزی کو دھیما کرنے کی خاطر اُس سے چھڑھاڑ میں مصروف تھے۔ نینہ کی کمی کے باعث اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ پچھلی شب مُل رنگ سے سیدھا گھر لوٹنے کی بھجاتے پڑا۔ تو کی کا پوچھیز کے درمیان نصیب یعنی کے محنت کے ندر میں بیٹھا موم بیان جلانا رہا اور چھروں میں سو گیا۔ بدیا رہنے پر پہل آواز جو اُس کے کافروں سے مکرانی وہ مسجد قرطبو کے میار پر نصب شدہ گھڑیاں کی سقی۔ شاید اُسے یاد دلانے کے لیے کہ مُل فانٹک کا کھیل

مردوں کی اختراءع تھا۔ اگر مردوں کے خدا سے جبھی صلح رکھی جائے تو کیا حرج ہے؟“ انتز نیوپنے راستہ العقیدہ عیالتی ہونے کے باوجود سرچا اور باب المزبور کے راستے مسجد کے اندر چلا گیا۔ لمبی نباؤں اور دبیر پکیوں والے مرد اپنے خدا کی پرستش کس طرح کرتے تھے اس کے باسے میں وہ لاعلم تھا۔ اس نے محراب پر کھنچی ہوئی عربی عبارت پر ٹبے احترام سے اپنا ہاتھ رکھا اور پھر جلدی سے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا کہ بابر آگیا۔

اس نے میں زنگ میں بیٹھے ہزاروں ناشائیوں کی جانب دیکھا جا سکافن دیکھنے کے منتظر تھے اور پھر اس کی نگاہ ایک علیحدہ کیوں میں بیٹھے پاروں کے سنجیدہ چہرے پر ٹھہر گئی۔ پاروں قرطیبی کے مشور رومی ادیب اور فلاسفہ نیکا سے بے حد مشا بہت رکھتا تھا۔ گھٹھا ہوا کسرتی جسم جن کے کندھوں پر ایک غیر معمولی طور پر ٹپا اور گنج اس پر کچھ روں نصب تھا جیسے لوقتِ ضرورت اُسے ٹھٹھا کر علیحدہ بھی رکھا جا سکتا ہے۔ پاروں اپنے زمانے میں ایک معروف میں فائز تھا۔ گھٹھیل کی سائنسی تکنیک پر مکمل عبور ہونے کے باوجود اس کی شہرت قرطیبی فضیلوں تک بھی محدود رہی۔ اس کے کھیل میں ایک درسی مظاہرے کی سی کیفیت ملتی تھی۔ ریاثاڑ منٹ کے بعد اس کی شہرت شہر کی فضیلوں سے سمٹ کر ایک مقامی قبروہ خانے مبارکتیاں لے کے ایک کرنے تک مدد و ہبہ کر رہ گئی جہاں اس کے چند فادار مداح را کہ کے اس ڈھیر میں سے چکاریاں حاصل کرنے کی سعی لا حامل میں محدود تھے۔ دو برس پیشتر اس کا ایک دیرینہ مداح میڈرٹو کے بااثر اخبار ”اسپانا“ میں استنٹ ایڈیٹر مقر رہو گا تو اس نے اپنے رسوخ سے پاروں کو میں ناٹھنگ کا سفتہ دار کالم دلوادیا۔ میں ناٹھنگ کے حلقوں میں کہا جاتا تھا کہ میں فائز تکی کامیابی کے لیے مزدوری ہے کہ اس کا پالا کسی ناراضی میں سے پڑے اور اس کا سامنا مسکلتے ہوئے پاروں نے ہو۔ کیونکہ پاروں کے سفتہ دار کالم میں کسی بھی میں فائز تکی مدح میں ایک سطر اسے پاک بھپکتے میں میں ناٹھنگ کے عیلوں کا نتیجہ دلواسکنی تھی اور تنقید کا ایک لفظ بھی اس کی

پیشہ و راذن زندگی کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتا تھا۔

انتونیو نے پادرو کو دیکھ کر ماہ تھا پلایا مگر وہ ایک دعجہ دوم کے گورم بھڑکی مانند سپھرنا بیٹھا رہا۔ اس نے پادرو کے ناراضی چہرے سے نظریں ٹھاکر اُس سے کہیں زیادہ ناراضی بل کی چکلی ٹھوٹھنی پر جاویں اور اس کی حرکات کا جائزہ لیئے لگا۔ بل دایں سینگ کو ایک خاص زاویے سے چکا کر حملہ آور ہوتا تھا۔ گردن قدر سے ڈیرھی کر کے دیکھنا تھا اور اس کی بائیں آنکھ نسبتاً زیادہ چکلی ہتی۔ اتنے میں بُل بجا اور معادن میں اکاڑے سے باہر چلے گئے۔ انتونیو نے انتخے سے پیدا پوچھا۔ سمندر میں تیرتے ہوئے خوف کے سپریلیوں کو ڈبوئے کی کوشش میں شوک بجلاؤ اور سُرخ کپڑا ہاتھ میں پکڑ کر تالیوں کی گوشی میں اکاڑے سے میں اُت آیا۔

” ہے ” انتونیو نے رُندھے ہوئے ٹھکے سے اُسے پکارا۔ بل یہ چھے مرداں کی چھوٹی چھوٹی چکلی آنکھیں انتونیو کے شوخ اور بھر کیلے بیاس پر جبی تھیں۔ چوڑا ماتھا، سرا اور سُر کھپڑے، ہوتی گردن، سینگ آگے کو مڑے ہوئے۔ ایک بہترین نسل کا طاقتور اور مغزد ربل ..... ”

انتونیو اپنے آگے سُرخ کپڑا کپڑیوں تکنے کھڑا تھا جیسے وہ اس کے چھے بالکل برہنہ کھڑا ہے۔ ایک مرتبہ پھر آہستہ سے ” ہو۔ ہوئے تو رد ” بل نے سُرخ دیوار پر نظریں جما یئیں اور ایک دم حملہ کر دیا۔ جونہی بل کے سینگ کٹرے کو چھوئے ایتو نیو تھاں خلuberقی اور پھر قی سے پنجوں پر گھوم گیا اور بل اپنی طاقت کے نور میں بھاگتا ہوا خاصاً ڈر نکل گیا۔ بے پناہ تالیوں کی ایک باڑ، بل رینگ کو چرتی ہوئی گزگشی۔

” ہو ہو..... آؤ..... آجائو ” انتونیو پنجوں پر کھڑا گروں تجمہ کراپنے چھے کھڑے بل کو پھر جملے کی دعوت دینے لگا۔ بل نے اپنے سُر دیت میں رگڑے اور اس مرتبہ اپنے حرفیت کر لالک کر دینے کی نیت سے نہایت پنے تئے انداز میں دوڑتا ہوا آیا۔ انتونیو نے بل کے قریب آنے سے لمحہ پڑلے ہی سُرخ کپڑا اپھر کر کی صورت میں ہوا میں ہرا دیا اور بل کے سینگ اُس کی بر کیڈ کی جکیٹ کو گزتے

ہوتے گذرتے۔۔۔ ”وڑنیکا پاس“ کے یہ دو مظاہر سے اگرچہ بترین کلاسیک انداز کے حال  
تھے۔ مگر ان میں بیل نامی کی ذات کا اظہار کچھ توں دس میں گیا تھا کہ اخین ان تنیور  
و رونیکا ”کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔ تالیوں اور سینیوں کے متواتر شور میں ان تنیور  
بیل سے کھیتا رہا۔ اب اس کے اندر ایک پُر سکون سمندر تھا جس میں صرف بے ختنی  
او رعنیت کی چنانیں کھڑی تھیں۔ خوف اور ناکامی کے سپنوں لیے ان سے مگر اکر ہلاک  
ہو چکے تھے۔

بیل فائٹ کی دوسری باری میں گھٹ سوار پکاؤ دو اکھاڑے میں آیا اور بیل کو وحیا  
کرنے کے لیے اپنے برچھے سے اُس کی گردن کو ہونہاں کر دیا۔ بیل کی گردن میں کمال  
ہزارمندی سے یاندر یہ لعینی چھوٹی پرچیاں پیوست کرنے کے بعد ان تنیور میں میں  
پیشی ہوئی تو ارباعل میں والبے صدر کی کیبین کے آگے مجھک گیا اور بیل کو قتل کرنے کی  
اجازت چاہی صدر نے جواب میں سُرخ رُدمال ہلا دیا۔

بیل کی شوخری بندی و تیزی تھے و فتوں کا خواب تھی۔ اُس کی گردن میں جبھی ہوئی  
چھ برچھیوں کی اذیت اُسے بے چین کئے دیتی تھی اور اس کا خون رس دیں کہ  
اکھاڑے کی ریت میں جذب ہو رہا تھا۔ ان تنیور نے اپنی سُرخی ٹوپی سر سے آنادر  
اکھاڑے میں بُلٹھ دی، مولیتا میں سے توار نکال کر اُسے چوما ہے تو رو؟“ اُس س  
نے سرخوشی کی۔ بیل نے بخل سراخھایا۔ قرطیہ کی تپتی و پور میں توار کی ذکر ہے  
کی کہنی کی طرح چکتی دھیر سے دھیر سے اُس کے مانتے کے قریب آرہی تھی ثابتہ  
بیل اس وقت اپنے لامپتے میں ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے آپ کی آنکھوں میں  
آئیں ڈالے کوئی آہستہ آہستہ اپنی انگلی آپ کے مانتے کی جاہب بڑھائے تو اس  
میں ایک نامعلوم قسم کی جلن ہونے لگتی ہے۔ بیل نے سرخھنکا اور پوری قوت سے  
ان تنیور پر حملہ کر دیا۔ ان تنیور ایک چان کی مانند ساکت ہو گیا اور جوں ہی بیک آک  
کے نزدیک پہنچا اُس نے توار اُس کی گردن اور کوٹھوں کے درمیان گھونپ دی۔  
ان تنیور کی بند مٹھی اور توار کا دست بیل کی چکتی کھال پر تیرتے پیسے سے مس ہوئے۔